سہرورد

سلسلہ نمبر

زیرِ نگرانی

محمدؐ نذیر غوری ہجویری سہروردی

ثم الاھوری

سہروردیہ فاؤنڈیشن (ٹرسٹ) کا ترجمان

سہروردؒ

سلسلہ نمبر ۴

بیاد

حضرت شرف الدین بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہ

حجۃ الکاملین حضرت میاں غلام محمد سہروردیؒ

مجدد سلسلہ سہروردیہ حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ

فہرست

قیمت سالانہ: ۴۴ روپے

فی پرچہ: ۵ روپے

رابطہ: فنون پریس، ۳۵ رائل پارک لاہور پاکستان فون: ۲۲۲۷۸۴

گفتگو

سرورِ کائنات، مولائے کُل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسمِ انسانی میں ایک لوتھڑہ (دل) ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو تمام جسم تندرست ورنہ بیمار۔ اسی لیے ابتدا سے انتہائی کمال تک روحانیت کا محور دل ہی قرار پایا ہے کیونکہ دل کی زندگی روح میں تڑپ پیدا کرتی ہے اور یہی تڑپ صاحبِ جنوں کا زادِ راہ ہے۔

آہ! کہ آج اُمتِ مسلمہ میں زندہ دل وجاں ناپید ہو گئے ہیں۔ ہم میں نہ جذبِ قلوب باقی ہے نہ قوتِ حرکت۔ ہم اپنے اسلاف کے کارنامے دہرانے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔ کاش کہ ہم ان کارناموں کا عملی مظاہرہ بنیں۔ ہم سوزِ نفس سے بیگانہ اپنے نجات دہندہ کے انتظار میں ہیں۔ عارفِ کامل حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ لوگ بھی عجیب ہیں کہ اس پر تو آنسو بہاتے ہیں جس کا جسم مر گیا ہو اور اس پر نہیں روتے جس کا دل مردہ ہو گیا ہے حالانکہ دل کا مردہ ہونا جسم کے مردہ ہونے سے زیادہ سخت حادثہ ہے۔

سہروردؔ نے قلوب کی زندگی کو اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا علاج سمجھا ہے اور یہ دوا فقر کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ سہروردؔ کا چوتھا شمارہ ان تمام احباب کے شکریے کے ساتھ حاضر ہے جنہوں نے ہمیں قیمتی مشوروں سے نوازا اور جس کی روشنی میں اگلا شمارہ ترتیب دیا جا رہا ہے جو اپنی ضخامت، مقالہ جات اور سج دھج میں ایک بڑی تبدیلی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

اس شمارے میں ایک مستقل مضمون "جادۂ جویائے حق" کے نام سے شامل کیا جا رہا ہے جو ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ امید ہے کہ اس سے مردہ دلوں میں زندگی کی ولولہ انگیزیاں پیدا ہوں گی کیونکہ ؎

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ظفر علی راجا

جہانے را دگرگوں کرد
یک مردِ خود آگاہے

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ — حیات و خدمات

سید عبدالرحمٰن بخاری

رافضیت و باطنیت

شیخ کے عہد میں رافضیت اور باطنیت اپنے عروج پر تھی۔ شیعی رجحانات روز بروز زور پکڑتے جا رہے تھے۔ مصر میں اسمٰعیلیوں کی باقاعدہ حکومت (فاطمی) قائم تھی۔ اسماعیلی عالم اسلام میں جابجا پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی مضبوط تنظیم، پر اسرار فلسفہ اور اہلبیت کا مقدس نام لوگوں کی توجہ اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ ان کی نزاری شاخ تو دہشت پسندی کی حامل تھی۔ ہر روز بیشمار مشائخ، علماء، امراء اور دیگر سرکردہ مسلمان ان کی سازشوں اور خنجر خون آشام کا شکار ہو رہے تھے۔ مشہور زمانہ سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی اور اس کے بعد ۴۸۵ھ میں سلجوق فرماں روا ملک شاہ بھی ان خدا ناترس قاتلین کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ ادھر یہ عالم تھا اور دوسری طرف علمائے اسلام کی کیا حالت تھی؟ غزالی احیاء العلوم میں اس کی نقشہ کشی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "علماء ہر وقت شیعہ، سنی، حنبلی اور اشعری مناظرات میں مصروف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کشت و خون تک نوبت پہنچنا ایک معمولی بات تھی اور کچھ نہ ہو تو صدر نشینی پر جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا"۔ معاشرے کا یہی وہ فکری خلفشار اور روحانی ادبار ہے۔ جس نے بالآخر عباسی خلافت کو قبر کے دھانے تک پہنچا دیا اور یہی وجہ ہے کہ مسٹر گین اور دیگر یورپی مورخوں نے اس زمانے کو دنیائے اسلام کا ایک "تاریک دور" شمار کیا ہے۔

ع دگرگوں کرد لادینی جہاں را

عیسائیت کا حملہ

امت مسلمہ کے اندر سے اٹھنے والے ان فتنوں کے علاوہ اس عہد میں اسلام کے قلب و جگر پر عیسائیت کا حملہ بھی دو محاذوں سے شروع ہو چکا تھا۔ ایک تو یہ کہ پوپ کے حکم پر یورپ کی

عیسائی افواج بیت المقدس پر حملہ آور ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف علمی، فکری اور معاشرتی طور پر اسلامی دنیا میں عیسائیت کے افکار و معتقدات پھیل رہے تھے اور اسلام کے لئے یہ ایک زبردست خطرہ تھا۔

یہ تو تھے وہ فکری، علمی اور مذہبی فتنے، جن کا حضرت کے عہد میں عالم اسلام کو سامنا تھا۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں (انتہائی اختصار کے ساتھ) کہ شیخ نے ان فتنوں کا قلع قمع کس طرح کیا؟ اور کیونکر دین حنیف اور اسلامی نظریۂ حیات کو تحفظ دیا۔

سرمایۂ ملت کی نگہبانی

برق تیغش خرمن الحاد سوخت　　　شمع دین، در محفل ما بر فروخت (اقبالؒ)

جناب شیخ کے ذہن عالی نے ان تمام فتنوں کا انتہائی بالغ النظری کے ساتھ مطالعہ کر لیا تھا اور ان کے مقابلہ کے لئے نہایت جامع اور مطابق ضرورت منصوبے کے تحت کام شروع کیا تھا۔ ہم یہاں اس سلسلہ میں اجمالی ارشادات پر اکتفا کریں گے۔

عقلیت و اعتزال کا رد

آپ نے عقلیت و وضعیت سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس کے تدارک کے لئے "عشق الٰہی" "اور" روحانیت اسلامیہ" کے اصول پیش کئے۔ یوں آپ نے فلسفہ کی پیدا کی ہوئی ذہنی لامرکزیت کو 'قلبی کیفیات' کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی اور اس تحریک کا فطری علاج یہی ہے کیونکہ عقل کے مقابلے میں جب وجدان کے حقائق پیش کئے جاتے ہیں تو عقل محض کی حیثیت صرف چراغ راہ کی ہوتی ہے اور انسان کو اپنے عروج کی منزل مقام وجدان پر نظر آنے لگتی ہے ؎

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

امام غزالیؒ گو ایک مدت تک فلسفہ کا جواب فلسفہ سے دیتے رہے۔ چنانچہ تہافتہ الفلاسفۃ اسی زمانے کی یادگار ہے مگر بالآخر ان کو بھی اسی راہ کی طرف مائل ہونا پڑا۔ جسے شیخ ابتدا ہی سے اختیار کئے ہوئے تھے۔ فقہ، تصوف، نبوت اور ولایت کی جو بحث شیخ کے ارشادات میں پائی جاتی ہے۔ وہ اسی شعبے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں وعظ و ارشاد سے بڑھ کر عملی تربیت کے ذریعہ بھی شیخ

لوگوں کی اصلاح فرماتے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

منصور بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھے فلسفہ سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک دفعہ غوث کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری بغل میں فلسفہ کی کتاب تھی۔ آپ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا۔ یہ کتاب ضائع کر کے آؤ۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ سوچا گھر جا کر رکھ دیتا ہوں مگر شیخ نے میرا ارادہ بھانپ لیا اور فرمایا یہ کتاب مجھے دو۔ میں نے کتاب دیتے وقت دیکھا کہ کتاب کے صفحات سفید ہو چکے تھے آپ نے کتاب لے کر ورق الٹے اور فرمایا۔ یہ فضائل قرآن کی کتاب ہے۔ اسے پڑھا کرو۔ جب میں نے وہ کتاب لی تو واقعی وہ فضائل قرآن کی کتاب بن چکی تھی۔"

اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ نے عقلیت و اعتزال کے فتنہ پر کس طرح قابو پایا۔

رافضیت کی شکست

شیعیت کی بنیاد انکار صحابہ پر رکھی گئی ہے اور نتیجتہً اس میں سنت نبویؐ کا بھی انکار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو روکنے کے لئے آپ نے اصل بنیاد سنت کی اتباع اور ساتھ ہی صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم کی مدح سے اپنے خطبات کو آراستہ کیا۔ غنیۃ الطالبین کے اکثر مقامات پر ان شبہات کا ازالہ فرمایا ہے جو امیر معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرام پر وارد کئے جاتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بہت سے شیعہ تائب ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ شیعوں کا ایک گروہ مجلس ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

معتزلہ، قرامطہ، اسماعیلیہ اور روافض وغیرہ، فرق مقالہ کی تردید و اصلاح کے ساتھ ساتھ آپ مذہب حقہ اہلسنت والجماعت کی نصرت و حمایت اور نشر و اشاعت بھی پورے زور قوت سے فرماتے ہیں۔ آپ نے درس و تدریس، افتاء اور وعظ و ارشاد نیز اصلاح و تربیت کے ذریعہ مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو تقویت بخشی۔ ابن السمعانی کے بقول "متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔" حافظ زین العابدین تحریر فرماتے ہیں۔ "غوث الاعظمؒ لوگوں کی ہدایت کے لئے تشریف لائے اور لوگ آپ کو ماننے لگے۔ اہل سنت کو آپ کی ذات تائید ملی اور اہل بدعت پسپا ہوئے۔

عیسائیت کا مقابلہ

عیسائیت کے معتقدات کو شکست دینے کے لیے آپ 'توحید' کے مسئلے کی وضاحت فرماتے۔ اور اسلام کی سچائی ثابت کرتے۔ نیز اپنی عملی اور اخلاقی زندگی کے نمونہ سے ہر روز عیسائیوں اور یہودیوں کی بڑی تعداد کو حلقہ بگوش اسلام بناتے۔ غیر مسلموں میں فروغ اسلام کے سلسلہ میں آپ کی کاوشوں کا تذکرہ آگے آئے گا۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی معاشرے میں لادینی افکار کے فروغ کا تدارک اور ازالہ آپ نے روایت عقل اور وجدان میں توازن پیدا کر کے فرمایا۔ یوں یہ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ ۹

پایۂ اسلامیاں برتر ازو　　　　احترام شرح پیغمبر ازو

تصوّف اور مذہبی زندگی میں بگاڑ

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق　　　　کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے۔ (اقبالؒ)

غوث اعظمؒ کے عہد میں گو تصوف عروج پر تھا اور صوفیاء کے ساتھ میں وسعت پیدا ہو رہی تھی لیکن اس کے ساتھ آپ کے عہد میں ایک نزاع جو مدت سے جاری تھی، بہت شدید شکل اختیار کر چکی تھی۔ جس سے اسلامی معاشرہ کا ہر فرد متاثر ہو رہا تھا۔ نزاع یہ تھی کہ آیا انسان کو ایسا مسلک لادینی اختیار کر لینا چاہیئے کہ وہ دین کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے اور محض رسمی و رواجی طور پر مسلمان کہلائے یا اسے ایسا دین عقل پرست اپنانا چاہیئے جو اصل دین کے مسلمات و عقائد سے متصادم ہو۔ ادبی کتابوں میں لاتعداد شکایتیں نہ صرف اس مضمون کی ملتی ہیں۔ جن سے مزخرفات دنیا کی کشش کے مقابلے میں یاس کا اظہار کیا گیا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی فقہی مذاہب کے پول پر بھی حسرت و افسوس ظاہر کیا گیا ہے اور اسے "مردہ علم" جو مردہ لوگوں نے اوروں تک پہنچایا" کہا گیا ہے۔ (ابویزید بسطامی) ادھر ظاہر پرست علماء نے تصوف کی ضرورت اور افادیت سے انکار کر دیا۔ شیخ کے استاد ابن عقیل اور کئی دیگر مقتدر حنبلیوں نے تصوف کے متعلق یہی روش اختیار کی۔ ذوالنون مصری اور حلاج کے خلاف بغداد کے قاضیوں کی عدالتوں میں جو مقدمات دائر ہوئے ان سے ان کشمکشوں کا سراغ ملتا ہے۔ یا مثلاً شیخ کے معاصر عالم ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" جس میں انہوں نے تصوف کے متعلق مظاہر پر تنقید کی۔ یوں عملاً شیخ کے عہد میں طریقت اور شریعت

کے مابین ایک جنگ اور تصادم کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ ادھر شیخ سے پہلی پشت کے لوگوں میں تصوف نے اپنے روحانی و جذباتی اثر کی وجہ سے ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ایسے میں تاریخی حالات نے ایک سوال سامنے لا کھڑا کر رکھا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ زہد و تصوف کے عناصر کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کس طرح کیا جائے؟ اس کی وجہ یہ بھی تھی خود تصوف میں عجمی اثرات اور اعتقادی و عملی بدعات کی آمیزش، نیز فرقہ ورانہ عناصر (داتا صاحب نے اپنے دور میں صوفیاء کے باطل فرقوں اور صحیح فرقوں کا تجزیہ کیا ہے) نے تصوف کو بھی ایک چلبیا بنا کر رکھ دیا تھا۔

اِصلاحِ تصوّف

یہ وہ حالات تھے جن میں شیخ نے عملی سرگرمیاں شروع کیں۔ جس طرح سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تورات کی شریعت اور انجیل کی طریقت یکجا ہو گئی تھیں۔ اسی طرح شیخ پر شریعت و طریقت کا اجتماع ہو گیا تھا۔ آپ شریعت کے بھی رہبر تھے اور طریقت کے بھی ہادی (تفصیل مقام و منصب کے بیان میں گزر چکی) چنانچہ آپ کے ہوتے ہوئے تصوف پر اصل شریعت کے اعتراضات میں کمی آ گئی اور انہوں نے عملاً صوفیاء کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیا۔ ادھر صوفیاء نے بھی آپ کی تقلید میں عموماً ظاہر شریعت کا احترام پہلے سے زیادہ ملحوظ رکھنا شروع کر دیا۔ یوں اصل طریقت اور اصل شریعت کی وہ ٹکراؤ اور تصادم جو عہد عثمانیؓ سے شروع ہو کر جنید بغدادی اور غزالی سے ہوتی ہوئی منصور حلاج پر فتویٰ کفر و تصلیب پر منتج ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

ادھر شیخ نے طریقت و تصوف کی زبردست اصلاح کی۔ آپ نے فنی اور اصطلاحی پیچیدگیوں سے ہٹ کر تصوف کو سادہ اور واضح اسلوب دیا۔ ان کی تالیفات اس اعتبار سے صوفیانہ ادب میں بڑا مقام رکھتی ہیں۔ آپ نے تصوف کی زبان کو بھی عام فہم بنا دیا اور تصوف کے ساتھ وابستگی کے راستے بھی عام آدمی کے لئے کھول دیئے۔ چالیس سال کی مسلسل تبلیغ و موعظت کے ذریعہ شیخ نے ثابت کر دیا کہ تصوف اور طریقت پر محض اہل خلوت کی اجارہ داری درست نہیں شیخ تصوف میں پر اسرار رمزیت کے خلاف تھے جو کہ باطنیہ اور غیر متشرع متصوفین کو تقویت پہنچا رہی تھی۔ آپ طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ اور کھلی شاہراہ کی طرح کشادہ دیکھنا چاہتے تھے شیخ نے بیعت اور خانقاہی تربیت کے طریقوں کو بھی مرکز توجہ بنا دیا۔ بیعت کا طریق

اہل ارشاد میں پہلے سے مروج تھا لیکن شیخ نے اسے وسعت اور تازگی بھی دی اور نظم وضبط بھی بخشا۔ شیخ کی زندگی ہی میں ان کا جاری کردہ طریقہ قادریہ لاکھوں نفوس کو تبفیاب کر چکا تھا۔ شیخ کا اصل مقصد بلکہ وظیفہ یہ تھا کہ روحانیت کی عام سطح کو بلند کردیں بلکہ یہ کہ ملت اسلامیہ میں اس کی اصل متصوفانہ ذہنیت کو بحال کردیں۔ شیخ کی ذات والاصفات جس قدر لوز پاشی اور ضیاء باری کرتی تھی۔ اس کا ان فصیح و بلیغ مواعظ سے، جو ہمارے پاس موجود ہیں، اب صرف ایک دھندلا سا تصور ہی قائم کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی اختلال و اضمحلال

ع حقیقت میں جدھر دیکھو، تنزل ہی تنزل ہے۔

حالات و واقعات

حضرتؒ کی پیدائش سے قبل دنیائے اسلام پر زوال و انحطاط کا عمومی دور شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقتدار کا سلسلہ اندلس سے ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرونی طور پر حالات نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھے۔

خلافت عباسیہ کی سیاسی مرکزیت کو چوتھی صدی ہجری ہی میں مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ تاہم خالص تہذیبی اور ثقافتی نقطہ نظر سے دارالخلافہ بغداد کا رنگ و روپ قائم تھا۔ مغربی ایشیا کی یہ وسیع سلطنت مختلف آزاد ریاستوں میں منقسم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ بادشاہ گر ترکی قائدین جیش کے ہاتھوں میں عباسی خلفاء کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کشمکش شیخ کے زمانے میں پورے عروج پر تھی۔ یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے دل و جان سے کوشاں تھے۔ کبھی کبھی خلیفہ اور سلطان کے لشکروں میں باقاعدہ معرکہ آرائی بھی ہوتی اور مسلمان ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہاتے۔ ادھر اندلس میں امیر عبدالرحمان اموی کی قائم کردہ حکومت کی مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کریں۔

افغانستان اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں محمود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور ہندو راجے مہاراجے اپنی سابقہ شکستوں اور ذلتوں کا انتقام لینے کے لئے صلاح

مشورے کر رہے تھے۔

مشرق وسطےٰ میں ہر طرف ابتری چھائی تھی۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد صلیبی عراق و حجاز پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا مسیحی دنیا کی متحدہ قوت مسلمانوں کو مٹا دینے پر تلی ہوئی تھی۔

مصر میں سلطنت باطینہ (فاطمی) جسے سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دولت جنینہ کے نام سے پکارا ہے۔ الحاد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔

سیاسی فساد پر شیخ کا کنٹرول

یہ تمام حالات و واقعات شیخ کی نظروں میں تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا کہ دنیا کی محبت کی خاطر ملک و سلطنت اور جاہ و مرتبہ کے حصول کے لیئے سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہیں اور ان کو صرف دربار کی شان و شوکت سے دلچسپی باقی رہ گئی ہے۔ شیخ کا مادی وجود خواہ ان حالات واقعات سے علیحدہ اور دور رہا لیکن اپنے شعور و احساس کے ساتھ وہ اس آگ میں جل رہے تھے اور اسی سوز دروں نے ان کو اپنی پوری ہمت و طاقت اور خلوص کے ساتھ وعظ و ارشاد، دعوت و تربیت، اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف متوجہ کیا۔ شیخ کے سلسلہ مواعظ کے پیچھے یہ احساس کارفرما نظر آتا ہے کہ ملت اسلامیہ زوال کی زد پر ہے۔ جس سے بچاؤ کے لیے دوسری کوئی طاقت عالم اسلام میں سرگرم عمل نہیں۔ خطیب کا یہ احساس اس جذبے میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ عالم اسلام کے مرکز بغداد میں کھڑے ہو کر کم از کم ایک صدائے دردنو بلند کی جائے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگان زمین آؤ، جو گر گیا ہے، اس کو مضبوط کر دیں، جو ڈھ گیا ہے اس کو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ اے سورج! اے چاند! اور اے دن تم سب آؤ۔"

شیخ صرف پند و نصیحت اور ترغیب و تشویق ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے۔ جہاں ضرورت سمجھتے بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ حکام و سلاطین اور خلیفۂ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط و افعال و فیصلوں کی مذمت سے باز نہیں رہتے تھے جا فظ

ابن کثیر اپنی تاریخ "الکامل" میں لکھتے ہیں۔

"کان یامر بالمعروف وینھی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاۃ والخاصتہ یصدعھم بہ علی رؤس الاشہاد وروس المقابر وفی المحافل وینکر علی من یولی الظلمۃ، ولا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم"۔[1]

ایک معاصر خلیفہ المقتضی لامراللہ نے یحییٰ بن سعید کو جو کہ ابن المزحم الظالم کے نام سے معروف تھا، عہدہ قضا تفویض کیا۔ شیخ نے اس اقدام کی سرِمنبر مذمت کی۔ فرمایا۔ تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے اظلم الظالمین ہے۔ کل قیامت کے دن ارحم الراحمین کو کیا جواب دو گے خلیفہ تک یہ بات پہنچی تو کانپ اٹھا اور قاضی مذکور کو فی الفور معزول کر دیا۔[2]

اسی طرح خلیفۃ المستنجد کی طرف سے پیش کردہ تحفۃ اشرفیوں کی تھیلیوں کو نچوڑ کر خون بہانے اور پھر نصیحت کرنے کا واقع بھی سیاسی حالات پر آپ کے کنٹرول کا پتہ دیتا ہے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات اور شہادات ہیں لیکن خوف طوالت مانع ہے۔

روحانی تصرفات

اس سلسلہ میں آپ کے روحانی تصرفات کی ایک ہلکی سی جھلک " اصلاح حالات " کے حوالے سے پیش ہے کہ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

اندلس میں حضرت عمار بن یاسر اندلسی، جو حضرت عبدالقاہر کے خلیفہ تھے اور حضرت ابومدین مغربی کے ارشاد تبلیغ اور کشف وکرامات کے باعث موحدین کی سلطنت معرض وجود میں آئی جس کی وجہ سے اس نواح میں آئندہ کئی صد سالوں کے لیے اسلام کو استحکام نصیب ہوگیا۔

مصر کی حکومت باطنیہ بھی آپ ہی کے وقت میں زوال پذیر ہو کر بالآخر، بالآخر ۵۶۷ھ میں یعنی آپ کے وصال کے بعد پانچ سال کے اندر اندر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی اور اس کی جگہ نورالدین زنگی اور پھر صلاح الدین ایوبی بساط حکومت پر نمودار ہوئے۔ جن کے اسلامی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔

1۔ القاد فی، قلائد الجواہر ص۸ 2۔ قلائد الجواہر ص۶

ان ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوری خاندان نے ہندوستان میں ایک نئی اور وسیع تر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ جس میں غوث اعظمؒ کے قریبی عزیز و فیضیافتہ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کا بھی ہاتھ تھا۔

گویا حضرت اور آپ کے بلاواسطہ و بالواسطہ فیض یافتگان کی کوششوں سے نہ صرف دین اسلام میں نئی زندگی نمودار ہوئی بلکہ اس کی روحانی قوت دفاع اس حد تک بیدار و استوار ہو گئی کہ جب ساتویں صدی کے آغاز میں تاتاریوں کی قیامت خیز یلغار سے اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج رہی تھی تو ظاہری حالات کے تقاضوں اور عام توقعات کے برعکس اسلام کا چراغ گل ہونے کی بجائے نہ صرف روشن رہا بلکہ صرف ۲۵ برس کے اندر اندر یعنی ۶۸۰ھ تک خود ان غارت گروں کو اپنا حلقہ بگوش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ہلاکو کے بیٹے تگودار کا قبول اسلام سلسلہ قادریہ کے ایک خراسانی بزرگ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ے

خاک بغداد از دم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عیاں یورش تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

سماجی و اقتصادی زبوں حالی

عہد و ماحول

شیخ کے عہد میں معاشی اور عمرانی نظام مفلوج ہو چکا تھا۔ عمرانی اور معاشرتی ادارات میں تغیر و اختلال برپا ہو گیا تھا۔ معاشرہ میں نسلی تعصبات اور طبقاتی امتیازات نے عام سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی میں افتراق و انتشار کے مہیب سائے پھیلا دیے تھے۔ عربوں کا قبائلی تعصب تو عہد اموی ہی میں عود کر آیا تھا۔ جوں جوں مسلمانوں کے اندر اسلامی روح کم ہوتی گئی، قومی منافرت پھیلتی گئی۔ بغداد ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ جہاں مختلف اقوام و مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے سنگم سے جو سماجی اور عمرانی نظام ابھرا۔ اس میں عجمی مفاسد کا غلبہ تھا۔ ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں کی طرح بغداد میں بھی دولت و امارت کے دوش بدوش غربت و افلاس کے افسوسناک مناظر بھی نظر آتے تھے۔ غلاموں کے علاوہ آزاد شہریوں کی ایک بڑی تعداد افلاس کی چکی میں پس رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر ابوالعتاہیہ نے کہا تھا "بغداد ان لوگوں کے لیے نہیں لیکن یہ خواہ مخواہ یہاں

بھٹکے پڑے ہیں۔

طبقۂ امرا عیش و عشرت میں مبتلا تھا۔ مشرق وسطیٰ کے ایک اوسط درجہ کے رئیس ابن مروان کی حرام سرا میں صرف گانے بجانے والی لونڈیوں کی تعداد ۵۰۰ (پانچ سو) کے قریب تھی اور بقول امام یافعی قرطبہ کے ایک امیر معتمد کے پاس ایسی ۸۰۰ (آٹھ سو) عورتیں تھیں۔ شیخ ابو نعیم بغدادی لکھتے ہیں۔ "امراء بدکاریوں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنی اخلاق سوز حرکتوں پر نادم نہ ہوتے تھے"۔

یہ تو تھا امراء کا طبقہ جو اپنے ایمان و اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے پست لیکن دنیاوی اعتبار سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا۔ اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشی حیثیت سے پست، دنیاوی ترقیات سے محروم، بے بضاعت و تہی دست لیکن اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات و ترقیات سے بہرہ مند تھا۔

عمرانی نظام کی اصلاح

شیخ نے ان روبہ تنزل حالات کا بڑی ہمت و استقلال سے مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو ان کے عمرانی تنزل کے اسباب سے آگاہ کیا۔ خلاف شرع امور پر مجتہدانہ اور مجددانہ تنقید کی۔ شیخ قومی منافرت اور طبقاتی تقسیم کے خلاف تھے۔ آپ شکستہ دل طبقہ کی دل جوئی فرماتے۔ انہیں ان کی انسانی اہمیت کا احساس دلاتے، اور اس طبقہ پر اللہ کی جو عنایات ہیں، ان کا ذکر فرماتے ہوئے امتیاز و فرق کی حکمت بیان کرتے[1] اور ساتھ ہی ساتھ طبقۂ امراء کی عیاشیوں اور بے راہروی پر تنقید کرتے اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش، تربیت اور تبلیغ کے ذریعہ فرماتے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: رموز الغیب، (شیخ رح) مقالہ ۲۵۔

جادۂ جویائے حق

ملفوظات: عارفِ کامل شیخِ طریقت سہروردیہ

حضرت صوفی محمد نذیر غوری سہروردی اعظم اللہ ذکرہ

مرتبہ: سید اویس علی سہروردی

مجلسِ اوّل

۱۹۸۰ء ستمبر، اکتوبر کا مہینہ تھا۔ فقیر آپ کی مجلسِ انوار میں توارد تھا۔ نہ بیٹھنے کی تمیز نہ اُٹھنے کا ادب، گفتگو بے ربط اور بے ڈھنگی۔ نہ سوال کرنے کا طریقہ نہ جواب سننے کا سلیقہ۔ ظلمتوں سے نکل کر نور کے میدان میں اُترا تو شترِ بے مہار کی طرح جدھر دل چاہا چل پڑا۔ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ کج بحثی وطیرہ تھا۔ خیالات کی بے ربطگی زبان کو بے لگام کیے رکھتی تھی، مگر آفرین ہو آپ کی شانِ بے نیازی پہ کہ آج تک نہ ماتھے پہ شکن اور نہ سوال کے جواب دینے میں تھکن بلکہ فقر اور صبر کی چادر اوڑھے سادگی میں تونگری لیے مجھ جیسے کئی کاہلوں، جاہلوں اور سست رؤں کی دادرسی کرتے، ہنسی خوشی دوستوں، خدمت گزاروں کی ہمت بندھاتے۔ قلب و اذہان کا تزکیہ فرماتے مسندِ ولایت پر جلوہ افروز ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب پاک شہنشاہِ شش جہات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے آپ پر ہزاروں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ اور جناب کے نفسِ گرم کی طفیل ہمارے قلب و نظر کو بھی وسعتیں عنایت فرمائے۔ آپ کی حضوری میں ہمہ تن گوش رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو مواعظِ حسنہ آپ کی زبانِ اطہر سے ارشاد ہوں اسے قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ عمل کی طاقت و استقامت بھی عنایت فرمائے۔ آمین!

اظہارِ تشکر کے چند جملے لکھنے کے بعد یہ فقیر حقیر سگِ درِ آستانہ کوچۂ جانم۔

جب آپ کی مجالس میں حاضر ہوتا تو اکثر شیخ الاسلام حضرت قبلہ و کعبہ امام السالکین رافع بہ متوسلین حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ جو قبلہ حضرت کے شیخِ محترم و مکرم ہیں، کے احوال و آثار سنتا تو دل کو از حد خوشی و طمانیت محسوس ہوتی۔ اسی ضمن میں جب کلام کا رخ شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے پیشوا ظلِ فضل و عطا، منبع جود و سخا، سیفِ سنتِ محمدیہ قطبِ عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردیؒ (حیات گڑھ گجرات) کی طرف ہوتا تو قلب و نظر کے حجابات اٹھتے محسوس ہوتے۔ سینے کی انشراحی کیفیت آپ کے قرب کی متلاشی ہوتی مگر اظہارِ تمنا بپاسِ ادب کبھی زباں پر نہ لایا حتیٰ کہ۔

(آپ پر اللہ کی رحمتیں سایہ فگن رہیں) اک روز آپ نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ جمعۃ المبارک گجرات تشریف لے جایا جائے گا۔ اندھے کو کیا چاہیئے، دو آنکھیاں کے مصداق فوراً تیار ہو گیا۔ جمعۃ المبارک کو گجرات پہنچے تو سب سے پہلے شہر کے وسط میں آستانِ عالیہ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائیؒ قدس سرہٗ پر قدم بوس ہوئے، اور روضۂ انور سے متصل جامع مسجد میں نمازِ ظہر ادا کی۔

بعد ازاں شہر کے جنوب کی طرف ایک سڑک بھمبر آزاد کشمیر کو جاتی ہے اس پر کچہری سے ۵ میل دور ایک گاؤں ملوکھوکھر نامی آباد ہے (جو آج کل اچھے خاصے بڑے قصبے میں تبدیل ہو چکا ہے) کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر شہنشاہِ مہر و وفا حضرت شرف الدین المعروف بابا جنگو شاہ قلندرؒ کے دربارِ اقدس پر حاضری دی۔ آپ کا مزار بھمبر روڈ پر ملوکھوکھر نامی گاؤں میں برلبِ سڑک واقع ہے۔ آپ بڑے جلیل القدر سہروردی بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق حضرت قلندر علی پانی پتیؒ فرماتے ہیں جو تذکرۂ غوثیہ میں یوں درج ہے کہ مقامِ قلندریہ دو شخصیات کا مل ہم نے دیکھے ہیں ایک بو علی قلندرؒ جو ہو گزرے ہیں اور دوسرے جنگو شاہ قلندرؒ جو ہمارے زمانے میں موجود ہیں

وہاں سے واپس گجرات آئے اور جلال پور جٹاں روڈ پر واقع ایک گاؤں حیات گڑھ پہنچے جہاں شیخ الاسلامؒ کے شیخِ مکرم و معظم اور میرے حضرت قبلہ دام برکاتہم کے دادا مرشد آفتابِ سنتِ محمدیہ مہتابِ طریقتِ سہروردیہ قطبِ عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردیؒ مدفون ہیں۔ آپ کے مزار پر قدم بوس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت قبلہ نے دعا و مراقبہ کے لیے بندہ کو ایم محمد لطیف سہروردی کو

ارشاد فرمایا کہ وہ کتاب نکالیں جو شائع کرنی ہے۔ چنانچہ لطیف صاحب نے ایک چھوٹی سی کاپی نکالی اور پڑھنا شروع کیا۔ اور حضرت قبلہ نے تنقیح و توضیح کروانی شروع کی۔ اس طرح دس پندرہ منٹوں میں مسودے پر نظر ثانی مکمل کی۔ آخر میں جب فقیر سے رائے طلب کی گئی تو میں نے عرض کیا کہ اس طرح کاتب کو کتابت کرنے میں دقت محسوس ہو گی کیونکہ یہاں صرف یہ درج ہے کہ اس کے بعد فلاں کتاب سے اتنے صفحات کتابت کیے جائیں۔ دوسرا اس میں کوئی نئے واقعات تو درج ہی نہیں، یہ تمام تو پہلے سے ہی عوام پڑھ چکے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ غلام اس کام کو بہ احسن طریقے سے انجام دینے کی کوشش کرے گا۔

آپ نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ واپس لاہور آکر میں آپ کی مجلس میں بیٹھ جاتا اور اس کتاب جس کا نام "مشائخ سہروردیہ" تجویز ہوا، کے حوالے سے آپ سے واقعات سن کر نقل کرتا۔ ایک دن آپ کی رہائش گاہ واقع نیو شادباغ (اللہ اس بستی کو ہمیشہ شادباد اور آباد رکھے، آمین) حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس طرح بیعت ہوا کہ اوائل عمری سے ہی میں ذاتی طور پر ہندوؤں کے خلاف تھا۔ محلے میں (کشمیری بازار) سے جو ہندو گزرتا اس کی چیزیں چھین لینا میرا اور میرے دوستوں کا عام وطیرہ تھا۔ ذرا ہوش سنبھالا تو ہمارا تعلق "بھارت نوجوان سبھا" سے ہو گیا۔ یہ کانگرس کی ایک ذیلی جماعت تھی۔ اس کا کام بم وغیرہ مارنے یا تخریب کاری کرنا تھا۔ میرے ناپختہ ذہن میں یہ ضرور تھا کہ یہ ہندو ہیں اور ہم مسلمان ہیں مگر ہندو مسلمان میں کیا فرق ہے اس کی تفصیل کا پتہ نہیں تھا۔

ایک دفعہ صوبہ سرحد سے ایک ہری کرشن آیا جس نے گورنر پر ایک دعوت میں فائرنگ کی تھی اور گرفتار ہوا تھا، یہ بھگت سنگھ دت وغیرہ کے ساتھ رہتا تھا ... انظم کلاتھ مارکیٹ جہاں کراچی بلاک میں میری دکان ہے، اس کے ساتھ ایک مندر اب بھی موجود ہے وہاں وہ شراب وغیرہ پیتے اور بڑا شور کرتے۔

تیراں کے ساتھ ہمارا میل جول رہتا تھا مگر ایک کرید دل میں یہ رہتی کہ مسلمانوں کی بھی اس طرح کی جماعت ہو جو مسلمانوں کے مفاد میں کام کرے۔ مجھے کسی سے پتہ چلا کہ دو لڑکے ایسے ہیں جن کے پاس ہر وقت پستول وغیرہ رہتا ہے، وہ بھی میرے ہی ذہن کے

ہیں، چنانچہ میں نے ان سے رابطہ پیدا کیا اور ان دونوں کو بم بنانے کا سامان اپنے گھر کے نیچے والی بیٹھک میں لاکر دکھایا۔ یہ گھر حویلی میاں خاں کشمیری بازار میں تھا۔ انھوں نے جب یہ دیکھا تو مجھے بھی اپنا ہم راز بنالیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ ہمارا تین لڑکوں کا گروپ بن گیا۔ جس میں میرے محلے کا رہنے والا ایک غازی امیر احمد تھا اور دوسرا محمد عبداللہ گڑھی شاہو کا رہنے والا تھا جو ریلوے میں ملازم تھا۔ انہی دنوں سیاست اخبار کے مالک سید حبیب صاحب کی صدارت میں گڑھی شاہو ایک جلسہ ہوا۔ وہ ہم نے سنا جس سے ہمارے جذبات بہت بھڑکے۔ کیونکہ یہ جلسہ اس گستاخِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منعقد ہوا تھا جس کا نام بھولا ناتھ سین تھا اور وہ کلکتہ کا رہنے والا کتابوں کا تاجر تھا اس نے ایک کتاب "براہین کہانیاں" لکھی جس کے سرورق پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہہ مبارک بھی دی گئی۔

چنانچہ گڑھی شاہو والا جلسہ سن کر ہم قبرستان میانی صاحب چلے گئے اور وہاں بیٹھ کر قسمیں کھائیں کہ اس گستاخِ رسالت ﷺ کو قتل کردینا چاہیے اور جو پکڑا جائے وہ دوسروں کا پتہ نہیں بتائے گا۔ ساتھ ہی ہم نے جیل کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کیا۔ کبھی بھوکے رہتے، کبھی موٹے اور کھردرے کمبل میں ننگے جسم سوتے تاکہ جسم کی قوتِ برداشت زیادہ ہو۔

امیر احمدؒ کو ہم نے بھیجا کہ پتہ کرکے آؤ وہ آدمی کہاں ہے، کیسے رہتا سہتا ہے وغیرہ۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ تقریباً دو ماہ بعد بڑے برے حال میں واپس آیا۔ داڑھی بڑھی ہوئی، پاؤں سوجھے ہوئے کیونکہ پیسے تو تھے نہیں اور ہم نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ کسی سے مانگنے بھی نہیں۔ اُس نے آکر بتایا کہ اس کی بہت بڑی دکان ہے جو کالج سٹریٹ پر واقع ہے، ہر وقت سات یا آٹھ آدمی موجود ہوتے ہیں اور دکان کے دونوں طرف دروازے ہیں۔

عیدِ قربان پر ہم میانی صاحب گئے، دوبارہ قسمیں کھائیں اور پروگرام بنایا کہ امیر احمد اور عبداللہ پہلے جائیں اور حالات کا جائزہ لیں۔ ان کا پروگرام تو یہ تھا کہ پہلے دہلی جائیں گے اور پھر کلکتہ، مگر وہ سیدھے ہی کلکتہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے تین یا چار روز بعد اخبار میں آگیا کہ بھولا ناتھ سین قتل کردیا گیا ہے اور دو پنجابی قاتل پکڑے گئے ہیں۔ میں نے یہ خبر اخبار میں پڑھی اور رات عبداللہ کے گھر (گڑھی شاہو) چلا گیا کہ

پتہ کریں کہ اصل صورتِ حال کیا ہے کیونکہ اخبارات میں نام غلط چھپے تھے۔ حاجی دفعہ میں اپنے ایک ہم راز اور پیر بھائی ملک مراتب علی کو کہہ گیا کہ اگر رات دس بجے تک میں نہ پہنچا تو میرے گھر کہہ دینا کہ وہ پکڑا گیا ہے، کیونکہ لازمی بات ہے پولیس اس کے گھر ضرور پہنچی ہو گی۔

خیر رات میں اس کے گھر پہنچا۔ پہلے تو ارد گرد کا جائزہ لیا مگر وہاں تو ہُو کا عالم تھا۔ میں نے جرأت کر کے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے اس کی والدہ محترمہ نے دروازہ کھولا۔ میں نے ان کی خیریت دریافت کی اور عبداللہ کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سیر کرنے کے لیے ریلوے کا پاس لے کر گیا ہوا ہے، پتہ نہیں کب آئے اور ہاں اس کے ہاں پرسوں بیٹا بھی پیدا ہوا ہے۔

کچھ دیر میں وہاں رُکا اور گھر چلا آیا۔ دو تین روز کے بعد پولیس بھی ہمارے محلے میں آئی اور امیر احمد وغیرہ کا پوچھتی رہی۔ کسی نے نہ بتایا کیونکہ بڑے بوڑھوں کو ہم سے بہت محبت تھی۔ اس لیے ہم پاس بھی کھڑے ہوتے تو وہ ہمارا پتہ نہ بتاتے۔ پولیس اچھی طرح پوچھ گچھ کر کے چلی گئی۔

تقریباً چار یا پانچ دنوں بعد کلکتے سے ان کا خط آ گیا جس میں تفصیلاً لکھا تھا کہ ہم نے تین آدمی قتل کر دیئے ہیں۔ اس میں تحریر تھا کہ امیر احمدؒ نے دو قتل کیے ہیں... اور عبداللہؒ نے ایک قتل کیا ہے۔ قتل کر کے دونوں مخالف سمت میں بھاگ گئے۔ عبداللہؒ دریائے ہگلی پر چلا گیا اور خون کے چھینٹے وغیرہ دھو کر ذکریا سٹریٹ حاجی مولوی سرائے کی طرف آیا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوسری طرف امیر احمدؒ کو ایک پنجابی بدمعاش نے دیکھا تو کہا ٹھہر جا۔ اس نے کہا کہ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ جو آدمی پیچھے دوڑے آ رہے تھے انہیں اس نے گالیاں وغیرہ دیں تو وہ بھی پیچھے ہو کر کھڑے ہو گئے...

(اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ اویس میاں ان دنوں میں نے دیکھا کہ پنجابی کلکتہ میں راج کرتے تھے ان کا وہاں بڑا دبدبہ تھا۔ ایک پنجابی کئی کئی آدمیوں پر بھاری ہوتا تھا) خیر اس پنجابی بدمعاش نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی اُچکا وغیرہ ہے۔ اس نے کہا کہ یہ چھری مجھے دے دو اور بات بتاؤ کیا ہے.... امیر احمد نے کہا کہ میں کوئی اُچکا وغیرہ نہیں، میں دو آدمی قتل کر کے آیا ہوں... ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پولیس بھی وہاں

آ گئی اور انہیں پکڑ کر ذکریا سٹریٹ سرائے میں لے گئی جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں عبداللہؒ بھی آ گیا۔ اب عبداللہ کہے کہ میں نے آدمی قتل کیے ہیں اور امیر احمدؒ کہے کہ میں نے آدمی قتل کیے ہیں۔ چونکہ ذکریا سٹریٹ تمام مسلمانوں کا پایا تارہے اس لیے وہاں بہت سے مسلمان بھی اکٹھے ہو گئے اور ان کی حمایت کرنے لگے (یہ حمایت پھر ان کے تختۂ دار پر پہنچنے تک جاری رہی اور دونوں کو ہر طرح کی آسائش وہاں کے مسلمانوں نے پہنچائی۔ کھانا پینا، روپیہ پیسہ ہر طرح سے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ میں وہیں موجود تھا جب غازی علم الدین شہیدؒ کے والد وہاں آئے اور کہا کہ میں نے بیٹے کی قبر بنوانی ہے۔ انہوں نے وہاں کے ایک عطر فروش کے نام چٹھی لکھ دی۔ اس نے کچھ نہیں پوچھا اور جتنی رقم رقعہ پر لکھی تھی وہ دے دی) مگر پولیس نے جب دیکھا کہ تکرار بڑھ گئی ہے دونوں اس پر بضد ہیں کہ قتل ہم نے کیے ہیں تو دونوں کو تھانے لے گئی وہاں کے لوگوں کو، جو مسلمان تھے، جب صحیح صورتِ حال کا پتہ چلا تو ان کے متعلق ان کے دلوں میں اور بھی محبت بڑھ گئی۔ وہ فوراً میاں عبدالمجید عطر فروش جو وہاں کا صدر اور بہت امیر آدمی تھا، کے پاس پہنچے اور پورا ماجرا سنایا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تھانے پہنچا اور تھانے دار کو کہا کہ یہ اپنے آدمی ہیں انہیں چھوڑ دو۔ مگر عبداللہؒ اور امیر احمدؒ دونوں نے کہا کہ ہم باہر نہیں آئیں گے۔ ہم نے قتل ہی اس لیے کیے ہیں کہ پھانسی چڑھ جائیں۔ اس موقع پر آپ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے ؎

مقامِ فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

چنانچہ دونوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ یہاں کے مسلمان بہت تنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معافی مانگ لو۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ جوابی خط میں میں نے انہیں لکھا کہ چونکہ ہمارا مقصد ہی یہ تھا اس لیے معافی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ چونکہ انہوں نے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے متعلق فتویٰ لو۔ چنانچہ میں حضرت مولانا غلام مرشدؒ کے پاس چلا گیا (جو بھاٹی دروازہ اونچی مسجد میں خطیب تھے) انہوں نے فرمایا کہ وہ معافی مانگ سکتے ہیں۔ جیسے کوئی ہندو کسی قوم سے خیرات مانگے تو تم دیتے ہو۔ اگر ان کی جان بچ سکتی ہے تو وہ معافی مانگ سکتے ہیں۔ میں نے

تمام باتیں خط میں لکھ دیں۔ انہوں نے جواب لکھا کہ تم یہاں آؤ۔ چنانچہ میں کلکتہ چلا گیا۔ اور ان کے ساتھ جیل میں ہی تقریباً ایک ماہ رہا۔ اور ایک ماہ بیس دن ان کی شہادت سے پہلے واپس آگیا۔ انہوں نے شہادت سے چار دن پیشتر جو خط مجھے لکھا' دکان کے پچھلے کمرے میں بیٹھا میں اسے پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ میں رہ گیا ہوں اور میرے دوست اپنے مقصد کو پا گئے ہیں۔ میں جہاں کام کرتا تھا وہ میرے استاد قبلہ حضرت مرزا غلام محی الدینؒ کی دکان تھی وہاں میں ان دنوں جلد سازی کا کام کرتا تھا (مرزائیوں کے خلاف ہم پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کرتے تو محترمی استادِ مکرم کمال شفقت سے ہمیں کاغذ خرید دیتے) پچھلے کمرے میں جہاں میں بیٹھا رو رہا تھا وہاں میرے استادِ محترم تشریف لائے۔ جب انہوں نے میری یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا۔ بتا نذیر کیا بات ہے' تم رو کیوں رہے ہو۔ میں نے تمام ماجرا کہہ سنایا کہ اس خط کے چار دن بعد میرے دوستوں کو پھانسی لگ چکی ہو گی۔ میں رو اس لیے رہا ہوں کہ میں اکیلا یہاں رہ گیا۔

اللہ تعالٰے اُن کی قبر مبارک نور سے بھرے' فرمانے لگے۔ تمہارا مقصد کیا ہے جس کی وجہ سے تم یہ تمام کام کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبانِ اطہر سے ارشاد فرمائیں کہ تمہاری جان کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا' اگر یہ زندگی میں ہی اور ابھی پورا ہو جائے تو پھر۔ میں نے کہا کہ میں اپنے مقصدِ حیات کو پا جاؤں گا۔ اسی وقت وہ مجھے قلعہ گوجر سنگھ شیخ الاسلام حضرت قبلہ سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت میں لے آئے اور بیعتِ توبہ کروا دی۔ وہاں سے فارغ ہو کر جب ہم سید مٹھا دکان پر واپس آئے تو میرے استادِ مکرمؒ اپنے چھوٹے بھائی کو فرمانے لگے کہ بھئی نذیر سے مٹھائی کھاؤ یہ حضرت قبلہ (شیخ الاسلام سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ) کی بیعت کر آیا ہے۔ جب آپ کے بھائی (غلام مصطفٰے) نے مجھے پوچھا' کیوں بھئی نذیر بیعت کر آئے ہو۔ تو میں نے کہا کہ نہیں۔ وہ بڑا چونکا اور مرزا غلام محی الدینؒ میرے استادِ محترم کو کہنے لگا کہ یہ تو کہتا ہے کہ بیعت نہیں کی۔ جب مجھے انہوں نے پوچھا تو میں نے انہیں بھی یہی جواب دیا کہ بیعت نہیں کی۔ وہ بڑے سٹپٹائے اور مجھے تانگے پہ بیٹھا کر اسی وقت دوبارہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کی کہ حضرت صاحب یہ تو کہتا ہے کہ میں بیعت نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی قبر شریف نور سے منوّر فرمائے۔ آپ نے مجھے پوچھا کیوں بیٹا کیا تم میری بیعت نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کی، نہیں۔ آپ نے سوال فرمایا، بیعت نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ عنداللہ میں آپ کو سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہ نہیں علم تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ "مجھے کوئی سرکارؐ کا حکم ہوا ہے"۔

آپ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوئے اور پھر فرمانے لگے، بیٹا کل صبح بعد از نمازِ فجر آنا۔ میں اپنے استادِ محترمؒ کے ساتھ واپس چلا آیا۔ اگلے دن صبح صادق میں آپؒ کی رہائش گاہ واقع (محلہ آدیاں) قلعہ گوجر سنگھ، جو لاہور کی قدیم بستی ہے، حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا:

"کیوں بیٹا بیعت ہوئے ہو"۔

میں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا کل پھر صبح اسی وقت آ جانا۔ میں اگلے روز پھر اسی وقت حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ بالاخانے سے نیچے تشریف لائے اور پھر مجھ سے پوچھا:

"کیوں بیٹا میری بیعت اختیار کی ہے"۔

میں نے عرض کیا، نہیں۔۔۔ آپ پھر چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئے اور فرمایا، کل پھر اسی وقت آنا۔

تیسرے دن جب میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے گذشتہ دنوں کی طرح پھر وہی پوچھا کہ میری بیعت کی ہے۔ میں نے عرض کی، کہ جی حضور! آپ نے پوچھا بھئی پہلے کیوں نہیں مان لیا۔ میں نے عرض کیا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو گیا ہے اس لیے آج میں نے اقرار کر لیا ہے۔

آپ نے فرمایا، اچھا اب جاؤ۔

اس موقع پر آپ نے ضمناً ارشاد فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت قبلہ سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے کہہ کہہ کوئی کام کروایا تو کیا کروایا۔ بہتر تو یہ ہے کہ اس کا دل خود کہے کہ یہ نیکی کا کام ہے اسے کرنا چاہیئے۔ آپ کے محاسن میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے جبراً کوئی کام نہیں لیا۔ خود میری مثال لے لیں۔ میں چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں آپ کے حلقۂ ارادت میں

داخل ہوا مگر تمام عمر آپ نے مجھے کبھی نماز کے متعلق سختی سے حکم نہیں فرمایا۔ بلکہ بڑے اچھے پیرائے میں سمجھا دیا کہ صبح سب مسلمان نماز پڑھتے ہیں، میں بھی پڑھتا ہوں اسی لیے تم بھی نماز پڑھ لیا کرو۔ نمازِ تہجد کی برکات گنواتے کے بعد مجھے فرمانے لگے کہ دیکھو ایک برتن تم رکھ لو ایک میں رکھ لیتا ہوں۔ جس کی تہجد قضا ہو وہ اس میں ایک دونی (آنہ) ڈال دے۔ ہر مہینے بعد دیکھیں گے کس کی کتنی نمازیں قضا ہوئیں۔

اسی طرح شروع میں میں روزے نہیں رکھتا تھا تو آپ ایک روز فرمانے لگے دیکھو مسوڑھوں کی خرابی کی وجہ سے میرا منہ سوجا ہوا ہے اور میں روٹی نہیں کھا سکتا سحری کو ایک بیدا اور دودھ کھا کر روزہ رکھ لیتا ہوں میں مر تو نہیں گیا۔ اس دن کے بعد سے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ روزہ نہیں چھوٹا۔

میں آپ کی خدمت میں سال ہا سال رہا ہوں۔ مگر کبھی کسی دن اگر حاضرِ خدمت نہیں ہو سکا تو اگلے روز آپ نے خاص کر پوچھا کہ کیا بات ہے خیریت تھی! ایک دن بارش اور کیچڑ کی وجہ سے میں حاضرِ خدمت نہ ہو سکا تو اگلے روز آپ نے ارشاد فرمایا کہ درویشی سے کیچڑ اچھا ہوا کہ تم کیچڑ سے ڈر کر گھر ہی بیٹھے رہے اور ہمیں ملنے نہیں آئے۔

انتقالِ پُرملال

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے روحِ رواں برادرم سید اویس علی سہروردی (سابقہ بین الاقوامی باسکٹ بال کھلاڑی) اور سید اشفاق حسین (گرافک انچارج روزنامہ نوائے وقت) کے والد گرامی سید عظیم علی شاہ صاحب جو سلسلہ چشتی صابری کے روحانی پیشوا بھی تھے، کے انتقال پر اراکین فاؤنڈیشن نہایت دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مفتی سیّد غلام محمد شاہ بخاری سہروردیؒ جالندھری

تحریر: محمد نعیم طاہر سہروردی، سنجر پور

حضرت سید غلام محمد شاہ بخاری سہروردیؒ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مفتی غلام محمد شاہؒ بن محمد نجیب الدین بن محمد اعتبار حسین بن سیّد عبدالاحد بن محمد ثانی بن عبداللہ بن محمد سید اللہ بن سید سلیم اللہ بن محمد شاہ عالم بن برہان الدین قطب عالمؒ بن سید ناصر الدین بن حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری اُوچی سہروردیؒ۔

علومِ ظاہری کی تحصیل آپ نے دارالعلوم سہارنپور اور دیگر اساتذہ کرام سے کی۔ آپ کا خداداد حافظہ دیکھ کر استاد صاحبان کہا کرتے تھے، یہ کوئی فرشتہ ہے یا گمنام عالم کیونکہ بالائے سرش زہوشمندی نے تافت ستارہ بلندی۔ تحصیلِ علم کے بعد آپ نے ہندوستان کی سیاحت کی، اسی دوران حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفیاب ہوئے۔ برصغیر کے اکثر مشائخؒ سے آپ نے فیضان حاصل کیا۔ جن میں مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ صوفی محمد حسین رام پوریؒ، حضرت مولانا امیر باز خان قادری نقشبندیؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی شامل ہیں۔ حضرت مولانا عارف رحمٰنؒ نے آپ سے فرمایا کہ، من دعا مے کنیم شما ملام شادماں باشد، لیکن فیضان تمہیں ایک شہباز سے ملے گا جو لاہور میں قیام پذیر ہے۔ چنانچہ حسب الحکم آپ نے لاہور آکر حضرت شیخ محمد دین سہروردیؒ سے بیعت کی اور منازل سلوک کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے اور نواں شہر جالندھر میں مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ حکیم حاذق بھی تھے۔ اس لیے متوکلانہ طور پر علاج و مطب

مصداق واطلبوا الارزاق من اسبابہا کے گذر اوقات کرتے رہے۔ مریدوں سے فتوحات لینا حرام سمجھتے تھے اور کسی کے پاس نہیں جاتے تھے۔

آپ نے نواں شہر جالندھر میں وصال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ صاحب تصانیف اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ نے تحفہ مثنوی محمدیہ، شجرہ کبیر، عرفان معنی، نماز طریقت نماز شریعت، حل شرح کشفی، خطبات حنفیہ، بارہ ماہ مسائل، تذکرۃ المتقین فی حالات محمد دین کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ کا ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں نادر کتب موجود تھیں۔ یہ کتب خانہ تقسیم برصغیر کے وقت سکھوں نے نذر آتش کر دیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے جن میں حضرت سید محمد اقبال شاہ ترمذی صاحب سہروردیؒ خاص روحانی مقام کے مالک تھے جو ضلع فیصل آباد چک ۳۰۸ / گ ب میں مقیم ہوئے اور کثیر خلق خدا نے آپ سے فیضان حاصل کیا حضرت قبلہ مفتی سید غلام محمد سہروردیؒ کی کتب سے ایک رسالہ بارہ ماہ تصوف ہماری دسترس میں ہے جو کہ پنجابی زبان میں منظوم ہے اور اس میں تصوف کے نادر نکات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض نکات کی شرح حاشیہ پر اردو زبان میں تحریر ہے۔ اس نادر رسالہ میں ایک نعت شریف اردو زبان میں بھی تحریر ہے جو کہ ہم یہاں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

نعت شریف

منظہر شان خدا جب یار رحماں ہو گیا
گھر یہ گھر اور کو بہ کو شہرہ بدیں شاں ہو گیا

کمتر اس در کی گدائی سے ہے شاہی خلق کی
کیا ہوا چار دن کو تو سلیماں ہو گیا

وہ مزہ ہے اس گدائی میں جو شاہی میں نہیں
جانتے ہیں وہ جنہیں یاں وصل جاناں ہو گیا

موت سے بھی بڑھ کے ہے میرے لیے یہ زندگی
جب سے روئے مصطفےٰ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

جس کا مدفن بن گیا قسمت سے کوئے یار میں
جنت الفردوس اسکے واسطے یاں ہو گیا

کیوں نہ دیں عشق نبی میں جاں کہ ہیں انسان ہم
چوب خشک اس عشق سے تھا جبکہ نالاں ہو گیا

جس کے دل میں حب احمد بس گئی ہے سربسر
ہے وہی انساں وہی پختہ مسلماں ہو گیا

کشتۂ عشق نبی سوئے مدینہ ہو رواں
ہنس اب تیرے لیے خار مغیلاں ہو گیا

عام لوگوں کی نظر میں آج مفتی ہے حقیر
شک نہیں پر حشر کے دن مرد میداں ہو گیا

سدا سہاگ

سلسلۂ سہروردیہ کی ایک شاخ

تحریر : میاں اخلاق احمد ایم اے

۱۔ خانوادۂ سہروردیہ کی شاخیں

صوفیاء کرام کے مشہور و معروف طریقت کے چار سلاسل ہیں، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلۂ سہروردیہ، سہروردیہ سلسلہ کی متعدد شاخیں ہیں۔ اس خانوادہ سے سترہ گروہ جاری ہوئے۔ پہلا صوفیہ، دوسرا جلالیہ، تیسرا لعل شہبازیہ (قلندریہ) چوتھا مخدومیہ، پانچواں کرم علی جھلی، چھٹا موسیٰ شاہی جو "سدا سہاگ" کے نام سے مشہور ہے، ساتواں رسول شاہی، آٹھواں میراں شاہی، نواں عیدروسیہ دسواں قاسم شاہی، گیارہواں رزاق شاہی، بارہواں دولا شاہی، تیرھواں سید شاہی، چودھواں اسماعیل شاہی، پندرہواں حبیب شاہی، سولہواں مرتضیٰ شاہی اور سترھواں نانہ شاہی۔ ان کے علاوہ خلوتیہ، ہمدانیہ، عتیقیہ، عماریہ اور کبیرویہ (حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ) بھی شامل ہیں۔ ان سلسلوں کے پیرو کئی دن متواتر ___ کوہ و صحرا، دشت و بیابان میں رواں دواں رہتے۔ اکثر بے آب و گیاہ چٹیل میدانوں میں بلا آب و غذا چلتے اور خرابی پرورش کی وجہ سے سامانِ خورد و نوش ختم ہو جایا کرتا تھا۔ ریاضت و عبادت کے اشتیاق میں کارواں سے پیچھے رہ کر بچھڑ جاتے۔ بیابانوں اور غاروں میں جنات و شیاطین کا سامنا ہوتا، صحراؤں میں غول بیابانی سے بھی واسطہ پڑتا پھر

بھی توکل الٰہی اور ایمانِ کامل کا عظیم الشّان مظاہرہ کرتے ہوئے کسی ایک جگہ مقیم ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ سیر و سیاحت میں رہتے تھے، مقاماتِ سلوک طے کرتے، جو ہجر اور فراق کی وجہ سے طے ہوتے ہیں۔ سیر و سیاحت سہروردیہ سلوک کا ایک اہم حصہ بیان کرتے ہیں، جس سے مرید صادق کی اطاعت شعاری کا امتحان لینا بھی مقصود تھا۔

۲۔ سیر و سیاحت کے بارے

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ رقمطراز ہیں کہ ان مشائخ کے نزدیک سیر و سیاحت کی وجہ کچھ اہم مقاصد ہوتے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ مشائخ کے ابتدائی سفر کا اہم مقصد مشائخ اور مخلص بھائیوں کی زیارت ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد کیمیائی نظر رکھنے والے بزرگوں کی تلاش ہے۔

۳۔ تیسرا مقصد مجاہدۂ نفس ہے کہ دوستوں، عزیزوں اور وطن کی جدائی کے تلخ گھونٹ پینے کا عادی ہو۔

۴۔ ترکِ لذت! شیخ نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف نفس کی لذّتوں کو ترک کر دینے کا نام ہے۔ سفر کے ذریعہ وہ (سالک) ایسا صاف اور درست ہو جاتا ہے جس طرح چمڑا دباغت اور رنگنے کے بعد صاف و شفاف نظر آتا ہے۔

۵۔ سفر کا ایک مقصد آثارِ قدیمہ کی زیارت اور عبرت انگیزی بھی ہے۔

۶۔ سفر کا ایک مقصد شہرت سے بیزاری ہے۔ یعنی ایک مقام پر ان کی ریاضت و عبادت کی بنا پر عوام میں جو شہرت و عقیدت ہوتی ہے، سفر میں جبکہ انسان غریب الوطن ہوتا ہے وہ شہرت اجنبیت میں بدل جاتی ہے۔ ان مشائخ کی زندگی صرف ریاضت و مجاہدہ نہ تھی بلکہ بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت اور اشاعت دین اسلام بھی کرتے ان مشائخ میں حضرت جمال مجرّد ساوجیؒ قابلِ ذکر بزرگ ہیں۔

۳۔ حضرت جمال مجرّد ساوجیؒ

آپ ساوہ (ساوجی) کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ پُر رونق، علوم و فنون کا

لہ اردو ترجمہ عوارف المعارف ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶

مرکز اور سبز و شاداب تھا۔ ہمدان سے بتیس فرلانگ پر واقع تھا۔ اس مردم خیز خطہ میں تین مشاہیر قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا سلمان ساؤجی مشہور فارسی قصیدہ گو شعرائ کے طبقہ میں، دوسرا علی ساؤجی رح محدثین کے گروہ میں جن کا ذکر "الدرالکامنہ" میں علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور تیسرا حضرت جمال مجردؒ ساؤجی رح جو صوفیائے قلندر درویش کے حلقہ سے تھے، آپ کے مفصل حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ قلندر جو انتہائی مقامِ تجرید و تفرید پر فائز ہوتے ہیں ان پر محویت و استغراق کی زبردست کیفیات اکثر طاری ہوتی رہتی ہیں اور برسا لہا سال اسی محو و استغراق میں گزر جاتے ہیں اور اکثر گمنام طریقہ پر خطرناک جنگلوں میں رہا کرتے ہیں۔ اسی لیے ایسے بزرگوں سے عوام تو کیا خواص تک لاعلم و بے خبر رہتے ہیں۔ اسی قسم کے اسباب کا یہ نتیجہ ہے کہ ان بزرگوں کے حالات جیسا کہ چاہیئے نہیں ملتے اور ان کے فیض یافتوں کی تعداد بھی نسبتاً کم ہوتی ہے۔

حضرت جمال مجردؒ ساؤجی رح قلندر نسباً سید تھے۔ آپ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے اور ان ہی کی روحانیت سے فیض پایا۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ بہت مسن و معمر بزرگ تھے۔ اپنے عہد میں بہت مرتاض اور عالم متبحر تھے سہروردیہ فیض سے بھی بہرہ ور ہوئے، جو سلسلہ حضرت ابوالنجیب قدس سرہٗ تک ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ابراہیم گرم سیل رح سے بھی روحانی فیض حاصل کیا جنہوں نے حضرت ابوالنجیب قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت پہنا۔

"بوستان غوثیہ" تذکرہ حضرت غوث بہاءالدین ذکریا ملتانی قدس سرہٗ میں لکھا ہے کہ شاہ جمال مجردؒ ساؤجی رح کا مزار "دمیاط" میں ہے۔ یہ بزرگ قلندر مشرب تھے۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ اہلِ مصر آپ کو یوسفِ ثانی کہتے تھے۔ ایک دن ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ داڑھی مونچھ سب کٹوا دی اور "دمیاط" کے اس چٹیل میدان میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ویران ہو گیا تھا اور کہیں بھی آبادی کا نام و نشان باقی نہ تھا، مبہوت و مدہوش پڑے رہے۔ حالتِ استغراق و محویت میں ان کو زمانہ کے اوقات کا بھی ہوش نہ تھا۔ اس بنا پر مصر کے علماء نے ان پر الحاد اور رفض کا الزام لگایا اور آپ کو ملحد کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک دن حالت

استغراق میں بعض علماء نے ان کے حلق میں رانگہ[1] پگھلا کر ڈال دیا جس سے ان کو کوئی تکلیف و ایذا نہ پہنچی، سب معتقد ہو گئے۔ سید جمال مجرد ساوجی رح کی باقی زندگی اسی مقام میں بسر ہوئی اور اسی مقام پر رحلت فرمائی۔ ان کے انتقال پر جو بھی حضرت کا جانشین مقرر ہوا اس نے ریشی و بروت کا صفایا کر کے قلندرانہ لباس پہنا۔ آہستہ آہستہ انکے دوسرے معتقدوں نے یہ سلسلہ اختیار کر لیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی تاریخِ وفات اور سن کسی نے ذکر نہیں کیا۔

۴۔ حاصلِ بحث

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جمال مجرد ساوجی رح سے تین سلاسل جاری ہوئے۔ طیفوریہ اس سلسلہ کے پیران کے بایزید بسطامی قدس سرہٗ ہیں۔ دوسرا قلندریہ اس سلسلہ کے شیخ ان کے عبد العزیز علم بردار قدس سرہٗ[2] ہیں، تیسرا سلسلہ سدا سہاگ ہے، اس سلسلہ کے شیخ ابراہیم مجرد گرم سیل قدس سرہٗ ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء میں ان کی ایک دوسری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے وہ یوں بیان کرتے ہیں[3]

"حضرت شیخ جمال مجرد رح مرید حضرت سید ابراہیم مجرد وہ مرید حضرت شیخ عاقل شہگر وہ، مرید حضرت مسکین رح وہ مرید حضرت مرتضی اصبحانی رح وہ، مرید حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ پھر یہ سلسلہ اولاد در اولاد اور خلفاء بخلفاء جاری رہا۔ آپ کی جاری کردہ نہروں سے فیض اور نور کے بے شمار چشمے آج تک جاری ہیں۔ خاص کر خطۂ سندھ، احمد آباد، گجرات کاٹھیاوار اور اس کے گرد و نواح کے علاقے فیضانِ سرمدی سے سرشار اور نور محمدی کی روشنی سے مالا مال ہیں" سلسلہ سدا سہاگ" جو اس مقالہ کا عنوان ہے، ذکر کیا جاتا ہے:

---

[1] قلمی گرم بحوالہ خیر المجالس

[2] ان کا مدفون پاک پتن شریف سے ایک فرلانگ پر واقع ہے۔

[3] غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء ص ۷۴

۵- سلسلہ سداسہاگ

سداسہاگ سلسلہ جس کو شاہ موسیٰ سہاگ رح سے منسوب کرتے ہیں وہ سہروردیہ کی ایک شاخ ہے جو سلسلہ حضرت ابوالنجیب سہروردی قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ موسیٰ سہاگ رح نے قلندر بودلے رح سے روحانی فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت پہنا، ان کو شاہ جیو لال (لعل) سے، ان کو حضرت جمال مجرّد ساڈ جی رح سے، ان کو حضرت کرم سیل رح، ان کو حضرت ابوالنجیب سہروردی قدس سرہٗ، اس سلسلہ کے فقراء سرخ دوپٹہ اوڑھتے ہیں، چوڑیاں پہنتے ہیں، رقص کرتے ہیں۔ ہر قدم پر "لا الہ الا اللہ نور محمد صلی اللہ" کہتے جاتے ہیں اور پیران سلسلہ کے نام کا ورد کرتے ہیں اور ان سے امداد طلب کرتے ہیں جس وقت اس شکل میں رقص کرتے ہیں ان پر یکسوئی طاری رہتی ہے۔ ہر آواز ان کی پُر تاثیر ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے سلسلہ کے کسی مکمل و اکمل شیخ کے مقلد اور دست گرفتہ ہوں، ورنہ اس رنگ میں بہتیرے نقال بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے کھانے کا ایک ذریعہ نکال لیا ہے، اور ان کے نعروں میں تاثیر نہیں ہوتی۔

شاہ موسیٰ سہاگ رح زنانہ لباس میں رہتے۔ سر پر سرخ دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں، انگلیوں کے ہر پور میں چھلے ہوتے، رقص کرتے ہر قدم پر لا الہ الا اللہ نور محمد صلی اللہ کہتے جاتے۔ اس سلسلہ میں اکثر باکمال بزرگ گزرے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دن علماء نے ان سے کہا کہ نماز پڑھو۔ وضو کرکے نماز ادا کرنے کو چلے۔ علماء نے کہا کہ سرخ لباس اتار دو اور سفید لباس پہنو کہ سرخ لباس میں نماز جائز نہیں۔ آپ نے سرخ لباس اتار دیا، سفید لباس پہنا اور نماز میں شامل ہوئے۔ جب امام نے اللہ اکبر کہا وہ تمام لباس سرخ ہو گیا۔ بعد نماز کے فرمایا "میرا میاں کہتا ہے کہ تو سہاگن رہ اور یہ موئے مجھے کہتے ہیں تو رانڈ ہو جا"۔

نقل ہے کہ آپ شہر احمد آباد میں مقیم تھے۔ فقراء کے ہمراہ گاتے بجاتے رہتے تھے۔ احمد آباد میں امساک باراں ہوا۔ بادشاہ نے قاضی شہر کو کہلا بھیجا کہ بارش کے لیے دعا کریں۔ قاضی روشن ضمیر تھا، بادشاہ کو جواب دیا کہ میری دعا سے کچھ نفع نہ ہو گا۔ اگر شاہ موسیٰ سہاگ رح کو فلاں محلہ سے بلا کر عرض کی جائے تو ضرور پانی برسے گا۔

بادشاہ اور قاضی نے بارش کے واسطے شاہ موسیٰ سہاگ سے دعا کی عرض کی۔ آپ نے چشم پُر آب سے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ میرے خاوند تو اگر ابھی پانی نہ برسائے گا تو میں بھی اپنا سہاگ چھوڑتی ہوں۔ یہ کہہ کر قریب تھا کہ آپ چوڑیاں اپنی شکستہ کریں کہ یکایک ابر پیدا ہوا اور ایسا پانی برسا کہ لوگ تنگ آگئے۔ اس کرامت سے بادشاہ اور تمام خلائق معتقد ہوگئے۔

آپ نے دس رجب ۷۵۳ھ بمقام احمد آباد (گجرات) وفات پائی۔ اس وقت احمد آباد میں شاہ عالمؒ مشہور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے کشف سے حضرت کی وفات کا حال معلوم کر کے اپنے خلیفہ قاضی میاں مخدومؒ سے کہا کہ تم جلدی جا کر حضرت شاہ موسیٰ سہاگؒ کی تجہیز و تکفین میں شامل ہو جاؤ اور خبردار رہنا کہ کوئی آپ کی چوڑی نہ اتارے۔ وہ جس رنگ میں ہیں اسی میں دفن کرنا، چنانچہ آپ اسی طرح دفن ہوئے۔ آپ کے جنازے میں مولانا سید عماد الدینؒ، حضرت وجیہہ الدین گجراتی احمد آباد کا قاضی، شہر کے علماء اور مشائخ شریک ہوئے [۱] حضرت شاہ موسیٰ سہاگؒ کے بالکے کو سید عماد الدینؒ نے اپنے ہاتھ سے چوڑی اور دیگر زنانہ لباس دیا اور سرخ اوڑھنی اڑھائی۔ اس روز سے آپ کے سلسلہ میں چوڑی اور دیگر زنانہ لباس جاری ہے آپ کے فقراء "سدا سہاگن" کہلاتے ہیں۔

۶۔ حضرت مخدوم لعل شہباز قلندرؒ

اس سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت لعل شہباز قلندرؒ بھی ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے کہا ہے کہ یہ بزرگ سادات عظام حسینی سے ہیں۔ لعل شہباز بن سید حسن کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق، بن سید نور الدین بن سید اسماعیل بن سید تا امام جعفر صادق علیہ السلام [۲] آپ کا اسم گرامی سید عثمانؒ ہے، لعل شہباز لقب ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے

---

[۱] مرزا اختر دہلوی: تذکرۃ الفقراء ص ۱۷۶-۱۷۷ جلد سوم

[۲] مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۲۷۴

مرید تھے۔ "یکے از چہار یار"[1] بھی تھے۔ صاحب معارج[2] الولایت آپ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے لباس سرخ در شتے وخطاب لال (لعل) شہبازانہ پیشی گاہ پیر روشن ضمیر بود عطا شدہ بود۔ آپ کی دوسری نسبت یہ ہے کہ آپ بلا واسطہ شاہ جمال مجرد ساڈھی کے خلیفہ ہیں جنہوں نے بہت لمبی عمر پائی جو طریقت میں دو واسطوں سے حضرت ابو النجیب ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی سے واصل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ پہلو واضح ہوتا ہے کہ قلت رجال کی وجہ سے عمروں کی زیادتی تھی یعنی شیوخ سلسلہ کبیر السن تھے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس نسبت کو انواع عبادات، ریاضات اور مراقبات سے خوب پختہ کیا تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح متوفی ۱۰۳۴ھ کے ایک مکتوب میں تحریر ہے کہ طویل نسبت منتہی قلندروں اور اہل جذبہ کی ہوتی ہے اور جامع اور عریض نسبت ارباب سلوک اور صحو کی ہوتی ہے۔ اہل جذبہ طریقہ ملامت پر عامل ہونے کی بنا پر ریا سے مبرا ہوتے ہیں۔ ان کا "اخلاص کامل" ہوتا ہے لہذا پختگی، اخلاص کی بنا پر ان کی نسبت بنیادی طور پر پختہ ہوتی ہے اور نسبت کا مطلب بھی اخلاص ہے۔

حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر رح نے ۶۷۳ھ میں وفات پائی اور حضرت کا مزار پر انوار سہوان شریف سندھ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ شاہ موسیٰ سہاگ رح سے قبل کے قلندر مشرب بزرگ ہیں۔ آپ کے سلسلہ کو "لعل شہبازیہ قلندریہ" کہتے ہیں۔

پھونک کر اپنے آشیانے کو
بخش دی روشنی زمانے کو



۱ے چار یار: حضرت مخدوم عثمان رح، شیخ بہاؤالدین زکریا رح، شیخ بابا فرید گنج شکر رح، سید جلال الدین جہانیاں[1] جہاں گشت رح (تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رح)

۲ے قلمی نسخہ

۱ے سید جلال الدین سرخ بخاری

اہم اعلان

۱۱ ربیع الاول ۱۹۸۷ء کو "سہروردؔ" اشاعت کا پہلا سال مکمل کرے گا۔ تقریباً سال بھر جن احباب نے اسے سراہا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، سہروردیہ فاؤنڈیشن کے اراکین ان تمام احباب کے بہت مشکور ہیں۔ اس ضمن میں سید عارف نوشاہی مدظلہٗ (مدیر مجلہ دانش اسلام آباد) خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر اشاعت پر ہماری رہنمائی فرمائی۔

اراکین فاؤنڈیشن نے موصولہ مشوروں کی روشنی میں سہروردکی اشاعت کے بارے میں چند بنیادی فیصلے کیے ہیں جو ۱۱ ربیع الاول کی خصوصی اشاعت سے شروع ہوں گے۔ متذکرہ اشاعت مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہوگی:

۱- ہر اشاعت سہ ماہی ہوگی اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر محیط ہوگی۔

۲- اشاعت پذیر تمام مضامین بصورت مقالہ مع حوالہ وحواشی شائع کیے جائیں گے۔

۳- سال بھر شائع شدہ مقالہ جات میں سے دو مقالہ جات پر ایوارڈ دیا جائے گا، جن میں سے ایک ۴۰ سال سے زیادہ اور ایک ۴۰ سال سے کم عمر محقق کے لیے مخصوص ہوگا۔

ظفر علی راجا

تعارف مضامین برائے اشاعت ربیع الاوّل

۱۔ تصنیف "الفقر و فخری" ایک مطالعہ (مستقل عنوان)

ضرورتِ شیخ و ثبوتِ بیعت

مصنّفہ: شیخ الاسلام حضرت سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

مطالعہ: سیّد اویس علی سہروردی

۲۔ خانقاہی نظام اور سلسلہ سہروردیہ

سیف ذوالقرنین

۳۔ علی ہجویری نمائندہ تصوف اسلامی

سیّد محمد متین ہاشمی (ممبر نظریاتی کونسل ڈائریکٹر ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری)

۴۔ زہد کی اہمیت عصرِ جدید میں (قسط اوّل)

ریاض الحسن نوری (مشیر وفاقی شرعی عدالت و سپریم کورٹ)

۵۔ جہانے را دگر گوں کرد

سید عبدالرحمان بخاری (ایل ایل ایم، ریسرچ سکالر قائداعظمؒ لائبریری)

۶۔ جادۂ جویائے حق ملفوظات (مستقل عنوان)

مرتبہ: سیّد اویس علی سہروردی

۷۔ فخرالدین عراقی، احوال و آثار

میاں اخلاق احمد ایم اے